اسلامی تقویم کا تحقیقی جائزہ

مولانا محمد صدیق ارکانی

تاریخ کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی؟......علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ جب زمین پر انسان کی آبادی وسیع ہونے لگی تو تاریخ کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت ہبوط آدم علیہ السلام سے تاریخ شمار کی جانے لگی، پھر طوفان نوح علیہ السلام سے اس کی ابتدا ہوئی، پھر نار خلیل سے، پھر یوسف علیہ السلام کے مصر میں وزیر بننے سے، پھر موسیٰ علیہ السلام کے خروج مصر سے، پھر حضرت داؤد سے، ان کے فوراً بعد سلیمان علیہ السلام سے پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے۔ اس کے بعد ہر قوم اپنے اپنے علاقہ میں کسی اہم واقعہ کو سن قرار دیتی تھی، مثلاً قوم احمر نے واقعہ تبابعہ کو، قوم غسان نے سد سکندری کو، اہل صنعاء نے حبشہ کے یمن پر چڑھ آنے کو سن قرار دیا، علامہ عینی مزید لکھتے ہیں کہ جس طرح ہر قوم نے اپنی تاریخ کا مدار قومی واقعات وخصائص پر رکھا، اسی طرح اہل عرب نے بھی تاریخ کے لیے عظیم واقعات کو بنیاد بنایا، چناں چہ سب سے پہلے اہل عرب نے حرب بسوس (یہ وہ مشہور جنگ ہے جو بکر بن وائل اور بنی ذہل کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے چالیس سال تک جاری رہی) سے تاریخ کی ابتدا کی۔ اس کے بعد جنگ داحس (جو محض گھڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان نصف صدی تک جاری رہی)۔ (ان دونوں جنگوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو العقد الفرید: ج3 ص 74 وابن اثیر 384) پھر جنگ غبراء سے، پھر جنگ ذی قار سے پھر جنگ فجار سے تاریخ کی ابتدا کی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلاف میں سے ایک بزرگ کعب کے کسی واقعہ سے سالوں اور تاریخ کا حساب لگاتے رہے، پھر اصحاب الفیل کے واقعہ سے، یہاں تک کہ عام الفیل کی اصطلاح ان کے یہاں رائج ہوئی۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری للعلامہ بدرالدین عینی: ج 17 ص 66) لیکن اتنی بات واضح ہے کہ رومیوں اور یونانیوں کے دور، بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس نے دنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ کے منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آئی اور عام طور سے یہیں

سے تاریخ زمانہ کی ابتدا سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی تاریخ (ہجری) کی ابتدا:......حضور صلی اللہ علیہ وسلم 27 صفر المظفر کو مکہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں مقیم ہوئے، یکم ربیع الاول کو غار ثور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ روانہ ہوئے۔ 8 ربیع الاول کو قبا پہنچے اور 12 ربیع الاول کو بروز جمعۃ المبارک مطابق 27 ستمبر 622ء مدینہ منورہ پہنچے چوں کہ ہجری سال کا آغاز ربیع لاول سے ہوتا تھا، اس لیے صحابہ کرامؓ ربیع الاول سے حساب رکھتے تھے، لیکن صحابہ کرام ایک ایک ماہ اور دو مہینے کے فصل سے تاریخ متعین کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کا پورا زمانہ اسی طرح گزر گیا، پھر فاروق اعظمؓ نے اس مسئلہ کو مستقل طور پر طے کر دیا۔ اس تاریخی حقیقت کا اشارہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ''رسول رحمت'' میں کیا ہے، بہر حال تاریخ اسلامی کا مسئلہ مستقل طور پر سن 17ھ جمادی الاولیٰ بروز بدھ طے پا گیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ابو موسیٰ اشعریؓ عراق و کوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ انہوں نے حضرت عمر فاروق کے پاس خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمیں جو احکامات اور ہدایتیں ملتی ہیں ان میں تاریخ نہیں ہوتی، اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس تاریخ کا حکم نامہ ہے؟ جس کی بنا پر بعض دفعہ ان پر عمل کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس پر غور کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور اکابر صحابہؓ کو جمع کیا، جن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے۔ یہ بحث شروع ہوئی کہ سن کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرت کی رائے دی اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

اسلامی تاریخ کے لیے ہجرت کی ترجیح کی وجوہات:......ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان والوں کو ایک مضبوط قلعہ اور مستحکم مرکز مل گیا۔ مسلمانوں کو آزادی سے عبادت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے جانے کے مواقع مل گئے۔ اہل اسلام نسبتاً چین سے زندگی گزارنے لگے۔ اسلامی طرز معاشرت کے خدوخال نمایاں ہوئے، اسلام کے اقتصادی و معاشی پروگراموں کے لیے عملی راہ ہموار ہوگئی، تعلیمات اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے پاکیزہ ماحول مہیا ہوا، ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسلام کی اسی ظاہری اور باطنی شان و شوکت کے پیش نظر ہجرت کی تاریخ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا گیا۔

اسلامی سن کا آغاز محرم الحرام سے کیوں ہوا؟......اس کے بعد مہینے کے بارے میں مشورہ ہوا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے رجب المرجب کی رائے دی، کیوں کہ یہ اول شہر الحرام ہے، حضرت طلحہ نے رمضان المبارک کی رائے دی، بعض حضرات نے ربیع الاول کی رائے دی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے محرم الحرام کی رائے دی، اس کو فاروق اعظمؓ نے پسند فرمایا۔

تاریخی زمانے:......بعض حضرت نے تاریخ کو تین زمانوں میں تقسیم کیا: قرون اولیٰ، جو ابتدائے عالم سے

سلطنت روما تک ہے۔قرون وسطیٰ جو سلطنت روما کے آخر زمانہ سے قسطنطنیہ کی فتح تک ہے۔قرون آخر و قسطنطنیہ کی فتح سے تا حال ہے۔

تاریخ کی چار قسمیں ہیں:......

تاریخ عام: وہ ہے جس میں ساری دنیا کے آدمیوں کا حال بیان کیا جائے۔

تاریخ خاص: وہ ہے جس میں کسی ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کی سلطنت کا حال بیان کیا جائے۔

تاریخ روایتی: وہ ہے جس میں راوی کا بیان اس کے مشاہدے کی بنا پر درج کیا گیا ہو۔

تاریخ درایتی: وہ ہے جس کو آثار قدیمہ و منقولہ اور عقلی تخمینوں کے ذریعہ ترتیب دیا گیا ہو۔

تاریخ کے ماخذ اور اس کے فوائد:...... تاریخ کے ماخذ کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

آثار مضبوط: یعنی تمام لکھی ہوئی چیزیں، مثلاً کتابیں، یادداشتیں، دفتروں کا غذات، پرانے فیصلے، دستاویز وغیرہ۔

آثار منقولہ: یعنی زبان زد عام باتیں مثلاً کہانیاں، نظمیں، ضرب الامثال وغیرہ۔

آثار قدیمہ:...... یعنی پرانے زمانے کی نشانیاں، مثلاً شہروں کے خراب قلعے، مکانات، کتبے، تصویریں وغیرہ۔

تاریخ کے فوائد پر نظر ڈالتے ہوئے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ ”تاریخ ایک ایسی چیز ہے اور ایک ایسا فن ہے جو کثیر الفوائد اور بہترین نتائج پر مشتمل ہے اور تاریخ کا علم ہم کو سابق امتوں کے اخلاق، حالات، انبیاء کی پاک سیرتوں اور سلاطین کی حکومتوں اور ان کی سیاستوں سے روشناس کرتا ہے، تاکہ جو شخص دینی و دنیوی معاملات میں ان میں سے کسی کی پیروی کرنا چاہے تو کر سکے۔“ (مقدمہ ابن خلدون) تاریخ کا مقصد اور فائدہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمد میاں مصنف تاریخ اسلام لکھتے ہیں کہ ”جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں ان کو گزرے ہوئے زمانے کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا اور اس پر عمل کرنا تاریخ کا مقصد اور فائدہ ہے۔“

تقویم کی تحقیق اور اس کی ضرورت:...... گزشتہ زمانے کے واقعات و حادثات وغیرہ کو محفوظ رکھنے کے لئے اور آئندہ زمانہ کے لین دین، معاملات وغیرہ کی تاریخ متعین کرنے کے لیے کیلنڈر کی نہایت ضرورت ہے، کیوں کہ کیلنڈر کے بغیر ماضی کی تاریخ معلوم ہوسکتی ہے، نہ مستقبل کی تاریخ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

تقویم کی اقسام:...... واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی تقاویم چلتی ہیں، جن کا دار و مدار تین چیزیں ہیں: سورج، چاند، ستارے۔ اس لیے بنیادی تقاویم تین ہیں: شمسی، قمری، نجومی۔ پھر شمسی کیلنڈر کی تین قسمیں ہیں: ایک عیسوی، جس کو انگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں دوم بکرمی جس کو ہندی بھی کہتے ہیں، سوم تاریخ فصلی۔ ان کے علاوہ اور بھی تقاویم ہیں، جیسے تاریخ رومی، تاریخ الٰہی۔

تاریخ عیسوی:...... تاریخ عیسوی (جس کو تاریخ انگریزی اور میلادی بھی کہتے ہیں) شمسی ہے۔ یہ تاریخ حضرت

عیسیٰ کی ولادت سے رائج ہے یا نصاری کے بزعم باطل حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے سے شروع ہوتی ہے، اس کی ابتدا جنوری اور انتہا دسمبر پر ہوتی ہے۔

تاریخ ہندی:...... ہندی سال کو بسنت کہتے ہیں۔ اس تاریخ کا دوسرا نام بکری ہے۔ مہینے یہ ہیں: چیت، بیساکھ، جیٹھ، اساڑھ، ساون، بھادوں، کنوار، کاتک، اگہن، پوس، ماگھ، پھاگن۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سن ہجری سے تقریباً 637 سال پہلے اور سن عیسوی سے 57 سال پہلے سے گجرات کاٹھیاوار میں رائج تھی۔

تاریخ فصلی بنیادی طور پر سال شمسی ہے، یہ سن اکبر بادشاہ کے زمانے میں مال گزاری کی وصولیابی اور دوسرے دفتری انتظامات کے لیے وضع کیا گیا تھا۔

نجومی جنتری شاکھا کے نام سے مشہور ہے، مہینے یہ ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

تاریخ رومی، تاریخ اسکندری اور تاریخ الٰہی:...... تاریخ رومی اسکندر کے عہد سے مروج ہے، جس پر 1975ء میں 2286ء سال شمسی گزر چکے ہیں، اس کا دوسرا نام تاریخ اسکندری ہے یہ 282 قبل المسیح سے شروع ہوتی ہے۔

تاریخ رومی کے مہینے (جن کی ابتداء مہرجان یعنی کاتک سے ہوتی ہے) یہ ہیں: تشرین اول، تشرین آخر، کانون اول، کانون آخر، شباط، اذار، نیسان، ایار، حزیران، تموز، اب، ایلول۔ رومیوں کا سال 365-4-1 دن کا ہوتا ہے۔ تشرین آخر، نیسان، حزیران، ایلول یہ چار مہینے 30 دن کے باقی سب 31 کے ہوتے ہیں، سوائے شباط کے، جو 28 دن کا ہوتا ہے اور ہر چوتھے سال 29 دن کا ہوتا ہے۔

تاریخ الٰہی کے مہینے یہ ہیں: فروردین، اردی، بہشت، خورداد، تیر، امرداد، شہر یو، مہر، آبان ذے، بہمن، اسفندار۔ یہ سن جلال الدین اکبر بادشاہ کے جلوس کی تاریخ (یعنی 3 ربیع الثانی 992ھ) سے شروع ہوا، اس میں حقیقی شمسی سال ہوتے ہیں۔

تاریخ قمری:...... تاریخ قمری کی ابتدا محرم الحرام سے ہوتی ہے، یہ اسلامی تاریخ ہے، جو دیگر تقاویم سے ہر لحاظ سے ممتاز ہے۔

سنہ شمسی اور قمری میں فرق:...... جاننا چاہیے کہ سنہ شمسی تین سو پینسٹھ دن اور ربع یوم کا ہوتا ہے، چار سال میں ایک دن کا اضافہ ہو کر ہر چوتھے سال 366 دن کا سال ہو جائے گا۔ سنہ قمری سے سنہ شمسی میں دس دن اکیس گھنٹے زائد ہوتے ہیں۔

قمری تقویم کے فوائد:...... مروجہ تقویم میں سے جو فوائد قمری تقویم میں ہیں وہ کسی اور تقویم میں نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ رب کائنات نے روزمرہ کے کام کاج اور لین دین کی آسانی وسہولت کی خاطر چاند کا نظام اس طرح بنایا

جس سے ہر انسان ہر علاقے میں آسانی سے تاریخ کا تعین کرسکتا ہے۔ مثلاً مغرب کی طرف سے جب چاند پتلا نظر آتا ہے تو ہر انسان (عالم، جاہل، شہری، دیہاتی) معلوم کرسکتا ہے کہ مہینہ کی پہلی تاریخ ہے، اسی طرح چاند جب بالکل مکمل ہو تو اس سے چودھویں تاریخ کا تعین کرسکتا ہے، اسی طرح جب مشرق کی جانب سے چاند باریک طلوع ہوتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیس یا اٹھائیس تاریخ ہے، اسی طرح روز روز واضح طور پر چاند کی صور جاتی ہے، جس سے ہر انسان معمولی تدبر سے تاریخ کا تعین کرسکتا ہے۔ بخلاف شمسی تقویم (کیلنڈر) کے کہ اس سے تاریخوں کا پتہ نہیں چل سکتا، مثلاً دسمبر کی پندرہ تاریخ ہو تو کوئی آدمی آفتاب دیکھ کر یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ آج پندرہ تاریخ ہے، نہ اس کی ہیئت وصورت میں نمایاں تبدیلی آتی ہے، جس کو دیکھ کر تاریخ کا تعین ہوسکے، نیز شمسی تاریخ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے، جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کرسکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے احکام وعبادات کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج﴾ (البقرہ:189)

قرآن پاک میں قمری مہینوں کا ذکر:...... قمری مہینوں کا ذکر قرآن پاک میں صراحۃً موجود ہے، جیسے: ﴿شھر رمضان الذی﴾ اس آیت میں قمری سال کے ایک ماہ رمضان کا نام صراحتاً ذکر ہے یا ضمناً ذکر ہے۔ جیسے: ﴿الحج اشھر معلومات﴾ اس میں اشہر سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔ ایک دوسری آیت میں اسلامی سال کے سارے مہینوں کا ذکر ضمناً آیا ہے، وہ آیت یہ ہے: ﴿ان عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرا﴾، یقیناً شمار مہینوں کا کتب الٰہی میں اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔ اس آیت میں جن بارہ مہینوں کا ذکر آتا ہے ان سے مراد قمری مہینے ہیں، اس کی دلیل بھی یہی آیت ہے، وہ اس طرح کہ ان بارہ میں سے جو چار ماہ ادب کے لیے خاص کردیے گئے ہیں، وہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ جنہیں "اشھر حرم" کہا جاتا ہے۔ جب یہ چار ماہ قمری کے ہیں تو باقی آٹھ ماہ بھی یقیناً قمری کے ہوں گے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قمری مہینوں کی ترتیب اور ان کے اسماء جو اسلام میں معروف ہیں یہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ رب العالمین نے جس روز زمین وآسمان کو پیدا کیا اسی دن سے یہ ترتیب اور یہ نام، ہر ماہ کے ساتھ خاص خاص احکام متعین فرمادیے ہیں، جس کی "تعبیر دین قیم" کے ساتھ فرمائی ہے تو قمری تقویم اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اسلامی تقویم ہے۔

چند اعتراضات کے جوابات:...... بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قمری حساب یقینی نہیں، کیوں کہ مہینہ کبھی 29 دن کا ہوتا ہے، کبھی 30 کا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی یقینی تاریخ متعین نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ اعتراض جاری ماہ کے متعلق نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس کی تعیین رویت ہلال سے ہوچکی ہے، البتہ آئندہ ماہ کے بارے میں اندیشہ ہے، مگر اس کا تعین بھی یوم لگانے سے ہوسکتا ہے، مثلاً 8 شوال 1430ھ بروز جمعہ تو لفظ جمعہ سے تاریخ کا تعین ہوگیا، دوسری بات یہ ہے کہ عملی رویت ہلال مذہبی تقریبات کے لیے ضروری ہے عام حساب کے لیے ضروری نہیں۔ یہ حسابی

طریقہ پر متعین کیا جاسکتا ہے۔پوری دنیا میں چاند کا طلوع ایک دن میں نہیں ہوتا، بلکہ مشرق وسطیٰ میں برصغیر سے ایک یا دو دن پہلے نظر آجاتا ہے تو عرب ممالک اور پاکستان و بنگلہ دیش کی تاریخوں میں فرق ہوتا رہتا ہے تو مذہبی تقریبات کن لوگوں کی تاریخ پر منائی جائے؟!اگر ہر جگہ رویت کو معتبر کیا جائے تو عبادت بیک وقت ادا نہیں ہوسکتی۔اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے لیے ہر جگہ کی رویت کو مستند قرار دیا جائے گا، کیوں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، سارے انسانوں کے لیے تمام مقامات اور تمام زمانوں کے لیے ہے تو ساری دنیا میں بیک وقت عبادات ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے، مثلاً مکہ مکرمہ کی اذان صبح کے مطابق انڈونیشیا میں نماز فجر ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح مکہ مکرمہ کے افق و مطلع کے موافق آسٹریلیا میں عید منانا ممکن نہیں ہے، تو مسجد حرام کی نماز اپنے وقت پر ادا ہوگی انڈونیشیا کی نمازیں اپنے وقت پر، نیز حج، جو مقامی عبادت ہے، وہ مکہ ہی کے افق کے مطابق ادا ہوگا اور مشرق بعید کے ممالک میں عید وغیرہ اپنے اپنے مطلع کے مطابق ادا ہوں گی اور یہ کوئی نقص نہیں ہے، یہ فرق تو عیسائیوں اور ہندوؤں کے شمسی حساب میں بھی ہے، مثلاً جس وقت ویٹی کن میں کرسمس کا گھنٹہ بجتا ہے اس سے تقریباً گیارہ گھنٹے قبل جزیرہ سخالین میں کرسمس کی عبادت ہو چکی ہوتی ہے اور جس وقت بنارس میں بسنگ پنچمی کا اعلان ہوتا ہے ٹھیک اسی وقت ماریشس میں نہیں ہوتا۔تو یہ بات کہ تقریبات بیک وقت ادا نہیں ہوسکتی، قمری ہجری تقویم کے سلسلے میں بطور اعتراض پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔اصل بات یہ ہے کہ تقویم قمری ہجری اختیار کرنے کی صورت میں جن دقتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب واہمہ ہیں اور دوسری بڑی وجہ اسلامی ممالک میں اسلامی تقویم کا عدم نفاذ ہے، اس لیے سب اس نظام سے اجنبیت محسوس کرتے ہیں، اگر یہ تاریخ نافذ ہو تو تجربے اور مرور ایام سے تمام شبہات ختم ہوسکتے ہیں، عرب ممالک بالخصوص سعودی عرب، جہاں اسلامی ہجری تقویم نافذ ہے وہاں کے کیلنڈر اور حساب کتاب میں کبھی ابہام نہیں پایا گیا اور کسی کو کوئی دقت اور اعتراض بھی نہیں۔

شمسی اور قمری تاریخ کے متعلق آخری اور اہم بات حضرت مفتی اعظم کے اس اقتباس میں ہے، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "اس کے یہ معنی نہیں کہ شمسی حساب رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ اور عدت کے معاملہ میں تو قمری حساب شریعت کے مطابق استعمال کرے، مگر اپنے کاروبار تجارت وغیرہ میں شمسی استعمال کرے۔شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں قمری حساب جاری رہے، تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری فروری کے سوا کوئی مہینے ہی معلوم نہ ہوں، فقہاء نے قمری حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ہاں! اس میں شبہ نہیں ہے کہ سنت انبیاء اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ میں قمری حساب استعمال کیا گیا ہے، اس کا اتباع موجب برکت و ثواب ہے اور شمسی حساب سے بھی اسلام منع نہیں کرتا۔"